الاستفسار

کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اس زمانہ میں بہت سارے دینی اداروں کے ذمہ داران نے اپنے مدرسوں میں تعلیم و تعلم کے شعبہ کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے شعبے بھی قائم کر رکھے ہیں، اور اسی طرح ملک بھر میں تصنیف وتالیف کے مستقل ادارے بھی قائم ہیں، جن کے کام کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے کہ اداروں کے سربراہان متعدد اہل علم حضرات کو ماہانہ اجرت پر طلب کرتے ہیں، اور ان سے فن تصنیف کے تقریباً تمام کام لیتے ہیں، مثلاً مواد کی فراہمی، مسائل و نصوص کی تحقیق، عربی عبارات کے ترجمے، حوالہ جات کی تخریج، تصحیح اور کمپوزنگ وغیرہ، اور بعض اداروں میں اس سے کم کام بھی لیا جاتا ہے، مگر پھر بھی اکثر کام انہی حضرات سے لیا جاتا ہے، اور اس تصنیف کی تیاری میں سربراہان کی محنت پانچ فیصد یا زیادہ سے زیادہ دس فیصد کہہ سکتے ہیں، اور ان اجیر ان حضرات کو جو اجرت ادا کی جاتی ہے وہ بھی مدرسہ ہی کی آمدنی یعنی زکوۃ، صدقات اور تبرعات والی رقم ہی سے ادا کی جاتی ہے، اور پھر مذہبی و دینی کام کہہ کر اجرت بھی وہی معمولی ہی دی جاتی ہے جو ایک مزدور کی اجرت سے بھی کئی گنا کم ہوتی ہے اور بعض اداروں والے اپنے ذاتی مال یا تصنیفی کاموں کی آمدنی سے بھی اجرت ادا کرتے ہیں، مگر جب کتاب کو چھاپا اور شائع کیا جاتا ہے تو وہ اس کو فقط اپنے نام سے چھاپتے ہیں، اور اصل کام کرنے والوں کا بالکل تذکرہ تک نہیں کیا جاتا، اور اسی طریقے سے وہ بزرگان حضرات سے غلط بیانی کر کے تقریظات بھی لکھوا لیتے ہیں، اور وہ حضرات بھی تقریظ میں اسی سرمایہ دارنہ ذہن رکھنے والے مہتمم و ذمہ داران ہی کا تذکرہ اور ان کی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں، اور جو ان مہتممین میں سے اچھے لوگ شمار ہوتے ہیں وہ اتنی مہربانی کر لیتے ہیں کہ پیش لفظ میں ان اجیر حضرات کا معاون کی حیثیت سے تذکرہ وشکریہ ادا کر لیتے ہیں، مگر ٹائٹل پر اپنے نام کے ساتھ اصل محنت کرنے والے حضرات کے نام کے تذکرہ سے شرماتے ہیں، حالانکہ عالم عرب، حتی کہ مغرب کے کفار ممالک سے چھپنے والی کتابوں کے سرورق پر بھی ایک سے زائد مصنفین کا تذکرہ ہوتا ہے، ان میں نگرانی کرنے والے کا تذکرہ مشرف کے نام سے ہوتا ہے، اور دیگر حضرات کا تذکرہ انہیں کے کام کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح سے ہمارے ہند و پاک کے بعض مدارس کے شعبہ تخصص میں طلبہ سے لکھوائے جانے والے مقالات کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے کہ ان کے مشرفین حضرات ابتداء طلبہ سے مقالے وصول کر کے اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، مگر کچھ عرصہ بعد وہ ان مقالات کو بھی اپنے نام سے چھاپتے ہیں، اور اصل لکھنے والے طلباء حضرات کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔

دار الافتاء
فتویٰ نمبر ۹۹/۱۸۱۷

اورمزید افسوس کی بات یہ ہے کہ جب ان حضرات سے یہ کہا جاتا ہے کہ جناب ٹائٹل پر کچھ اصل کام کرنے والے حضرات کا تذکرہ تو کر دیا جائے، تو وہ آگے سے یہ جواب دیتے ہیں کہ جناب ساتھیوں کو اخلاص سے اور اللہ تعالی کی رضا کے لیے کام کرنا چاہیے، نام و نمود کا طلبگار نہیں ہونا چاہیے، اور اس کے لیے وہ بزرگوں کے حوالے دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے ہاں یہی ترتیب تھی۔

اب اہل فتوی حضرات سے التماس یہ ہے کہ وہ دلائل شرع کی روشنی میں اپنے فقہی اسلوب میں مذکورہ مسئلہ سے متعلق اہل علم طبقہ کے اس مغالطہ کو دور فرمائیں کہ

(1) کیا مذکورہ معاملہ خیانت علمی اور حقوق کا غصب نہیں ہے؟

(2) کیا اس طرح کا معاملہ کرنے والے لوگ قرآن مجید کی اس آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ(2) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ کا مصداق نہیں ہیں؟

(3) جب یہ دوسرے کی محنت کو اپنے نام سے شائع کرتے ہیں تو کیا ان کا یہ عمل ایذاء مسلم کے تحت حرام نہیں ہے؟

(4) کیا اجیر حضرات کا اس معمولی مقدار اور وہ بھی صدقات وعطیات کی مد میں آنے والی رقم سے اجرت وصول کرنا ان کو اس حق سے محروم کر دیتا ہے کہ ان کا نام بھی نہ لکھا جائے؟

(5) اگر اجرت زیادہ مقدار میں ہو اور خود کام کروانے والوں کی جیب سے ادا کی جاتی ہو تو کیا ایسی صورت میں حقیقی مصنفین، مؤلفین اور محققین اس حق سے محروم ہو جائیں گے؟

(5) کیا ماضی میں کسی بزرگ سے ایسی غلطی کا صادر ہو جانا اس معاملہ کے جواز کے لیے حجت شرعی ہو سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں چندہ کی مد سے تنخواہ دینے والے مہتممین، اپنی ذاتی آمدنی سے اجرت ادا کرنے والے اشاعتی اداروں کے ذمہ داران اور شعبہ تخصصات کے مشرفین کے حکم میں کیا کوئی فرق ہے؟ اگر ہے تو اس کو بھی واضح کیا جائے۔

المستفتی: نجم الدین اعظمی

تنقیح:

اشکال من جانب مفتی صاحب حفظہ اللہ تعالی: -جب آپ خود بوقت تقرری معاون کی حیثیت سے ایک طے شدہ اجرت پر راضی ہوگئے تھے تو اب کم اجرت کا شکوہ کرنا اور اس کے ساتھ تصنیف کے ٹائٹل پر نام کا مطالبہ کرنا درست نہیں؟ جیسا کہ دنیاوی معاملات میں لوگ معاون کی حیثیت سے، مختلف قسم کی کمپنیوں میں کام کرتے ہیں، مگر کمپنی کی شائع کردہ پروڈکٹ و مصنوعات پر معاونین کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جاتا، اور نہ ہی وہ مطالبہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں؛ کیونکہ ان کے درمیان جو معاہدہ ہوتا ہے وہ بحیثیت معاون ہی کے ہوتا ہے، نہ کہ بحیثیت شریک کے اور معاون اپنی معاونت کا عوض لے چکا!!۔

دفع اشکال من جانب مستفتی عفااللہ تعالی عنہ: -جناب مفتی صاحب! بصد احترام عرض یہ ہے کہ کمپنیوں و اداروں کی مصنوعات پر اگر معاونین، کاریگر اور مزدوروں کا نام نہیں ہوتا تو وہاں پر مالک کا نام بھی تو نہیں ہوتا!! بلکہ اداروں اور کمپنیوں ہی کا نام ہوتا ہے چنانچہ آگے مصنوعات کو دیکھنے والوں کو بھی کوئی دھوکہ نہیں ہوتا کہ اس چیز کو کمپنی کے مالک نے بنایا ہے، بلکہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ چیز کمپنی کے تمام کاریگروں، سائنسدانوں، کارخانے کے مستریوں اور مزدوروں کی محنت سے تیار ہوئی ہے۔ اور اس کے برخلاف ہمارے دینی اداروں کے اکثر و بیشتر ذمہ داران تصنیفات پر ادارہ اور رفقاء کا نام نہیں دیتے بلکہ صرف اور صرف اپنا نام لکھتے ہیں اور یہ صاف اور کھلی دھوکہ بازی ہے جو کہ اسلام میں جائز نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کمپنیوں کے مالکان اپنی مصنوعات پر کمپنی کا نام نہ لکھیں اور اپنا ذاتی نام ہی لکھ دیں، تو ان کا اس طرح کرنا اس سرمایہ دارانہ و جمہوری فکر و سوچ میں پرورش پانے والوں کے ہاں کچھ قابل برداشت معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان مصنوعات کی تیاری کے سلسلہ میں جو سرمایہ لگتا ہے وہ سارا مالکان کا ذاتی ہوا کرتا ہے اور دیگر دوڑ دھوپ بھی انہی کی طرف سے ہوا کرتی ہے، اگرچہ تیار کرنے والے کاریگر ہوتے ہیں اور معاہدہ بھی معاونت پر ہوتا ہے، نہ کہ شرکت پر۔ لیکن جہاں تک دینی اداروں کے ذمہ داران کا حال ہے کہ وہ ان تصنیفات پر جو سرمایہ خرچ کرتے ہیں وہ اپنی جیب سے نہیں کرتے بلکہ وہ وقف و چندہ کے مال ہی سے کیا کرتے ہیں، اور باقی جو تصنیفی ذمہ داریاں ہوتی ہیں ان میں بھی ان کی محنت بہت معمولی سی ہی ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کاروباری و تجارتی مصنوعات کی دنیا میں مصنوعات کے اوپر اگر کہیں مالک کا نام ہوتا ہے تو صانع کی حیثیت سے نہیں ہوتا، بلکہ منتظم کی حیثیت سے ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس فن کی دنیا میں کاریگروں اور سائنسدانوں کا نام مشہور ہو رہا ہوتا ہے، نہ کہ مالکان کا، اور اگر اس میں نقص ہوتا ہے تو اس فن کی دنیا میں یہی کاریگر و سائنسدان لوگ ہی بدنام ہو رہے ہوتے ہیں نہ کہ مالکان۔ جبکہ ہمارے ہاں تصنیف کی دنیا میں جو آدمی سرے سے مصنف ہی نہیں ہے اس کا نام بطور مصنف درج کیا جاتا ہے، چنانچہ مصنفین کی دنیا میں نام اور مقام بھی اسی کا بن رہا ہوتا ہے اور لوگوں کا مرجع بھی وہی بن رہا ہوتا ہے اور جو حقیقی مصنفین ہیں ان کا نام بطور مصنف، شریکِ مصنف، معاونِ مصنف یا مرتب کے نام سے کہیں بھی ذکر نہیں کیا جاتا، چنانچہ لوگ اسے مصنف سمجھ رہے ہوتے ہیں جو مصنف ہی نہیں ہے اور جو مصنفین ہیں ان کو کوئی مصنف ہی نہیں سمجھتا ہے اور یہی وہ دھوکہ ہے جو کمپنیوں کے مالکان کے ہاں تو رائج نہیں ہے، لیکن ہمارے ہاں دانستہ یا غیر دانستہ طور پر رائج ہے۔

دارالافتاء
99/1814

چوتھی بات یہ ہے کہ فن تصنیف میں طے پانے والے تمام معاملات اگرچہ اجرت پر ہوتے ہیں، نہ کہ شرکت پر، جیسا کہ مذکورہ تجارتی معاملات میں بھی عقد و معاہدہ اجرت پر ہوتا ہے، نہ کہ شرکت پر، مگر اس بارے میں بھی تو غور کیا جائے کہ تصنیف کی تیاری میں مرکزی محنت کن لوگوں کی ہوتی ہے اور ثانوی کردار کن لوگوں کا ہوتا ہے، معاونین کون ہوتے ہیں اور مصنفین کون ہوتے ہیں ، چنانچہ اس سلسلہ میں کمپوزر کو کوئی شخص مصنف نہیں سمجھتا، اسے معاون ہی سمجھا جاتا ہے، پروف ریڈر کو کوئی مصنف نہیں سمجھتا، اسے معاون ہی سمجھا جاتا ہے، ڈیزائنر اور ٹائٹل بنانے والے کو کوئی مصنف نہیں سمجھتا، اسے معاون ہی سمجھا جاتا ہے، ایسے ہی پریس والے، جلد ساز اور کٹنگ کرنے والے بھی تصنیف کی تیاری میں معاون ہوتے ہیں، یہ سب اپنی اپنی اجرت لے کر چلے جاتے ہیں، نہ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تصنیف کے اوپر ہمارا نام دیا جائے اور نہ ہی ان کو مطالبہ کرنا چاہیے، مگر پھر بھی ان میں سے بعض لوگوں کا نام، جیسے: کمپوزر، ڈیزائنر، اور پریس و ناشر کا نام عام طور پر تصنیف کے سرورق یا داخلی ورق پر کر دیا جاتا ہے، ان کے بارے میں تو ہمارا سوال ہے ہی نہیں، ہمارا سوال تو ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے مواد جمع کیا، تحقیق کی، غور و فکر کیا، ترجمہ کیا، مواد کو ترتیب دیا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اس بارے میں بھی غور کیا جائے کہ تصنیف کا معاملہ خالصتاً تجارتی معاملہ نہیں، بلکہ یہ ایک اعتبار سے دینی اور علمی معاملہ بھی ہے، اور علم کی شان یہ ہے کہ اسے اہل علم اور حقیقتاً علمی محنت و کاوش کو سرانجام دینے والوں کی طرف منسوب کیا جائے، نہ کہ ان لوگوں کی طرف جو کہ اس کے اہل اور اس کو انجام دینے والے ہی نہیں ہیں۔

چھٹی بات یہ ہے کہ کاروباری و تجارتی مصنوعات کی دنیا میں کاریگروں و معاونین کو جو اجرت دی جاتی ہے، جس میں زبانی اقرار اور تراضی کا اظہار بھی ہوتا ہے، وہ اجرت معقول اور رضا معتبر عند الشرع ہوتی ہے، کیونکہ ان کو ملنے والی اجرت کی مقدار عموماً اس قدر ضرور ہوتی ہے کہ وہ ان کی زندگی کے بنیادی ضروریات و حاجات میں کفایت کرنے والی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اکثر و بیشتر دینی اداروں میں، اجیر حضرات کو جو اجرت دی جاتی ہے، وہ ایک عام مزدور کی اس اجرت سے بھی کہیں کم ہوتی ہے جو کہ اس وقت کے سرمایہ دارانہ نظام نے عام درجہ کے مزدور کے لیے مقرر کی ہے، جس کو ہم ظالمانہ نظام کہتے ہیں، اور یہ اجرت کی کمی ہوتی بھی وکیلوں کی طرف سے ہے، موکلین کی طرف سے انہیں شاید اس بات کی اجازت بھی نہیں ہوتی، اور اس اجارہ میں جو تراضی ہوتی ہے، وہ تراضی حقیقی نہیں ہوتی؛ کیونکہ مولوی بے چارہ اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر میں نے اس کم اجرت کو قبول نہ کیا تو میری یہاں تقرری نہ ہوگی، بلکہ مہذب انداز میں معذرت کر دی جائے گی، اور کسی اور جگہ پر جاؤں گا تو وہاں پر بھی یہی حال ہوگا، اور میری دس پندرہ سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا، اور علمی خدمت کو چھوڑ کر دنیاوی شغل کو اختیار کرنا" وضع الشیء فی غیر محلہ" بھی ہوگا وغیرہ، چنانچہ وہ بطور مجبوری کے اس اجارہ پر راضی ہو جاتا ہے، اور ایسی رضا شریعت مطہرہ کے ہاں معتبر نہیں ہے جیسا کہ "بیع المضطر" اگرچہ صحیح تو ہو جاتی ہے مگر شریعت میں منہی عنہ اور ناجائز ہے، کیونکہ اس میں بائع کی حقیقی رضا نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرات اکابرین اور اہل علم کے چند حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

علامہ حفظ الرحمن سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں:

چالاک اور ظالم سرمایہ دار کی استحصالی چالیں

(1) اجرت کی کمی:

پہلی گرہ جو اس جال میں مزدور کو پھنسانے کے لیے لگائی گئی ہے وہ "اجرت کی کمی" ہے وہ نادار ہے، مفلس ہے، بے چارہ ہے، فاقہ کش ہے، اس لیے اس کی محنت کا صلہ ایک روپیہ ہونے کے باوجود سرمایہ دار اس کو چار آنے پر راضی کرلیتا ہے اس لیے کہ وہ بھوکا ہے، تن پیٹ دونوں کے لیے عاجز و درماندہ ہے، سرمایہ دار خوش ہے کہ اس نے جبر نہیں کیا بلکہ مزدور اپنی خوشی سے اس پر آمادہ ہو گیا، اور مزدور یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ اس ناواجب اجرت کو اضطراری طور پر قبول نہیں کرتا تو فاقوں کی بدولت موت کا استقبال لازمی ہے، اور یہ کہ دوسرا مزدور مجھ سے زیادہ بدحالی اور اضطرار کی وجہ سے اس سے بھی کم اجرت پر کام کرنے کو تیار نظر آتا ہے۔

(2) زیادہ سے زیادہ کام پر مزدور کی مجبورا رضامندی:

دوسری گرہ یہ لگائی گئی ہے کہ کم سے کم مزدوری میں مزدور سے کام زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور اس کو بھی وہ اپنے افلاس اور تنگ حالی بلکہ فاقہ کشی کی خاطر منظور کرلیتا ہے اور اپنی بے چارگی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا کر نو، دس گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ محنت کرکے سرمایہ دار کو خوش کرتا ہے، تب جا کر بمشکل چار آنے کا حقدار ہوتا ہے۔

لیکن اسلام اپنے نظام میں مفلس اور صاحب حاجت کی اس رضامندی کو "مرضی" نہیں تسلیم کرتا اور سرمایہ دار کے ان دونوں پھندوں کو ظلم قرار دے کر اس طلسم کو پاش پاش کر دیتا ہے، فیلسوف اسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ، ابواب ابتغاء الرزق (2/) میں فرماتے ہیں: "پس اگر مالی نفع ایسے طریقہ پر حاصل کیا جائے کہ اس میں عاقدین کے درمیان تعاون اور عملی محنت کو دخل نہ ہو جیسے قمار یا زبردستی کی رضامندی کا اس میں دخل ہو، جیسے سودی کاروبار، تو ان صورتوں بلاشبہ مفلس اپنے افلاس کی وجہ سے خود پر ایسی ذمہ داری عائد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جن کا پورا کرنا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے اور اس کی وہ رضامندی حقیقی رضامندی نہیں ہوتی، تو اس قسم کے تمام معاملات رضامندی کے معاملات نہیں کہلائے جا سکتے اور ان کو نہ پاک ذرائع آمدنی کہا جا سکتا ہے، بلاشبہ یہ معاملات تمدنی حکمتوں کے اعتبار سے قطعا باطل اور خبیث ہیں"۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ-صلي الله عليه وسلم-: «يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ثَلاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ كُنْت خَصْمَهُ خَصَمْتُهُ: (إلي) وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُوَفِّهِ أَجْرَهُ». [رواه ابن حبان، وابن ماجه، وأحمد، والطبراني، والطحاوي، والبيهقي، وأبويعلي، وابن الجارود، وقال شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا اور جس سے میں جھگڑوں گا اس کو مغلوب و مقہور کرکے ہی چھوڑوں گا، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے مگر اس کے مناسب اس کی اجرت نہیں دیتا۔

(امام ابن حزم رحمہ اللہ مزدور سے کام (جسمانی یا ذہنی) لینے کا ایک حکیمانہ اصول بتاتے ہیں: "وليستعملهما فيما يحسنانه ويطيقانه بلا اضرار بهما". ترجمہ: کام لینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ (آزاد ہو یا غلام) دونوں قسم کے اجیروں سے اس حد تک کام لے کہ وہ اچھی طرح کام انجام دے سکیں اور بقدر طاقت کام لینا چاہیے اور یہ نہ ہو کہ ان کو اتنی محنت کرنی پڑے کہ ان کی صحت وغیرہ کو نقصان پہنچے۔

(اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، ص: 575-578)

دار الافتاء 99/1814

شعبان 1434ھ کو دار العلوم دیوبند سے شائع ہونے والے عربی رسالہ "مجلہ الداعی" کے ایک مضمون کی عبارت:

وإذا رضي العامل مضطرا بأجر دون ما يستحقه، وجب أن يدفع له ربّ العمل ما يستحقه، ولا عبرة برضاه في الأجر المخفض، قال عزّوجل في سورة الأعراف آية 85 ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ﴾. [قال الآلوسي: أي حقوقهم أيّ حق كان].

(بقلم : الأستاذ أشرف شعبان أبو أحمد /جمهورية مصر العربية)

رمضان المبارک 1436ھ کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہونے والے رسالہ "بینات" کی عبارت، جس میں دار العلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز مدرس حضرت مولانا ریاست علی صاحب زید مجدہ کے تصنیفی معاملات میں عمل کو سراہا گیا ہے اور اسی ضمن میں "علمی سرقہ بازی" کے غیر شرعی ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

اللہ تعالی ہدایت نصیب فرمائے ان مصنفین کو جو "علمی سرقہ" کرتے ہوئے دوسروں کی محنت وکاوش کو اپنا کارنامہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ان کو بھی جو پورا کام یا اکثر کام دوسروں سے کرواتے ہیں اور نام صرف اپنا ہی لگالیتے ہیں، حضرت والا مد ظلہم نے کلیدی محنت خود ہی انجام دی، البتہ ایک معمولی شرکت کی وجہ سے اس کی نسبت دوسروں کی طرف کی ہے:

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

(بقلم: استاذ الحدیث حضرت مولانا عبد الرؤف غزنوی صاحب دامت برکاتہ)

ایک صحیح حدیث جس میں اجرت کے اندر بنیادی حقوق کو ملحوظ رکھنے کا تذکرہ کیا گیا ہے:

عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ الْفِهْرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ وَلِيَ لَنَا شَيْئًا، فَلَمْ يَكُنْ لَهُ امْرَأَةٌ فَلْيَتَزَوَّجْ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَسْكَنٌ فَلْيَتَّخِذْ مَسْكَنًا، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَرْكَبٌ فَلْيَتَّخِذْ مَرْكَبًا، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ خَادِمٌ فَلْيَتَّخِذْ خَادِمًا، فَمَنِ اتَّخَذَ سِوَى ذَلِكَ كَنْزًا أَوْ إِبِلًا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غَالًّا أَوْ سَارِقًا».

[ورواه أبو داؤد والحاكم وقال: هذا حديث صحيح على شرط البخاري ولم يخرجاه، و رواه أيضا ابن خزيمة، وأحمد، والبغوي، والطبراني، والبيهقي، وأبو نعيم، ومعافي الموصلي، والديلمي و غيرهم].

خلاصہ کلام یہ کہ ان مذکورہ جوابات کی روشنی میں فقہی اعتبار سے تصنیف کے عمل کو جس کا تعلق دین وآخرت کے ساتھ ہے، تجارتی وخالص دنیاوی مصنوعات کی نظیر بنانا قابل غور ہے۔

المستفتی: نجم الدین اعظمی

الجواب حامداومصلیا

اگر کوئی تصنیف یا تالیف ادارہ کے خرچ پر ہوئی ہے، اوراس میں مدرسہ کے مہتمم وغیرہ کا مشورہ یا نگرانی کی حدتک دخل رہا ہے، جبکہ بنیادی کام مہتمم صاحب کا نہ ہو، تو اس صورت میں یہ تصنیف یا تالیف مکمل ہونے کے بعد ادارہ کی طرف منسوب ہونی چاہیئے، مہتمم یا کسی اور شخص کا اس تصنیف کو اپنے نام کرانا بلاشبہ خیانت اور چوری ہے، جو ناجائز اور حرام ہے، اور ادارہ کے نام کرانے کے ساتھ ساتھ مرتبین اور مشرف کے ناموں کا تذکرہ بھی ہونا چاہیئے، خواہ وہ مرتبین اُجرآء ہوں، یا متبرعین ہوں۔

اسی طرح اگر تصنیف اور تالیف پر خرچہ کسی نے ذاتی طور پر کیا، لیکن خود تصنیف یا تالیف میں بنیادی اور معتد بہ مقدار میں حصہ نہیں لیا، بلکہ اجرت پر سارا کام کسی اور سے کرایا، تو اس صورت میں بھی مصنف یا مولف کے طور پر اس شخص کا نام اس کتاب پر ظاہر کرنا درست نہیں، یہ بھی جھوٹ ہے، کیونکہ مصنف کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص نے یہ کتاب خود محنت کر کے لکھی ہے، بلکہ اس صورت میں اس کتاب پر مرتبین کے نام آنا ضروری ہے، اگرچہ اس کی آمدنی تالیف کرانے والا خود وصول کرے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

تاہم اگر مہتمم صاحب کتاب خود لکھیں، یا بنیادی خاکہ، مواد وغیرہ خود مہیا کریں، اور ساتھ ساتھ نگرانی بھی ہو، تاہم اوروں سے بھی اس میں معاونت لیں، خواہ اجرت کے ساتھ ہو، یا اجرت کے بغیر ہو، تو وہ کتاب مہتمم صاحب کی طرف منسوب ہوسکتی ہے۔

یادرکھنا چاہیئے کہ اس مسئلہ میں لوگ بہت کوتاہی کرتے ہیں، اور دوسروں سے کتابیں تیار کروا کر ان پر مصنف یا مولف کی حیثیت سے اپنا نام درج کرواتے ہیں، جس سے یہ واضح تاثر ملتا ہے کہ یہ کتاب انہی کی لکھی ہوئی ہے، یہ عمل بالکل ناجائز ہے، اور ناجائز عمل میں کسی شخص کا عمل یا فعل حجت نہیں۔

نیز مذکورہ مسئلہ کے حکم میں اجرت کی زیادتی یا کمی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، اجرت کی کمی یا زیادتی بالکل الگ مسئلہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حسبِ معاہدہ جو اجرت مقرر ہوئی ہے، اجیر اسکا مستحق ہے، تاہم اس کے بعد معاہدہ میں لکھے ہوئے اوقات یا اعمال سے زیادہ اوقات یا اعمال میں اس کو استعمال کرنا اور اجرت اتنی ہی دینا جو شروع میں معاہدہ میں مقرر ہوئی تھی، یہ جائز نہیں، گناہ ہے، جیسا کہ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے، اور خود مستفتی نے بھی اس سلسلہ میں حدیث تحریر کی ہے، اسی طرح اجرت

عرف کے مطابق مقرر کرنی چاہیئے تا کہ ملازم کی حوصلہ شکنی نہ ہو، اور وہ اپنے فرائض منصبی یکسوئی کے ساتھ سرانجام دے، جیسا کہ فقہاء کرامؒ نے اس سلسلہ میں ''العادة محكمة'' وغیرہ کے قواعد ذکر کئے ہیں۔

اجارہ کے بارے میں مشہور حدیث ہے کہ:

حدثنا أحمد بن داود قال ثنا إبراهيم بن المنذر الحزامی قال ثنا عبد الله بن نافع الصائغ قال ثنا كثير بن عبد الله المزنى عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : المسلمون عند شروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلالا (شرح معانی الآثار)

یعنی مسلمانوں پر شروط (معاہدوں) کی پابندی ضروری ہے، مگر اس شرط کی پابندی ضروری نہیں، (بلکہ جائز ہی نہیں) جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے۔ واللہ تعالی اعلم

عصمت اللہ عصمہ اللہ

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

الجواب صحیح

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

۱۶/۹/۱۴۳۷ھ

مفتی بجامعۃ دارالعلوم کراچی